Dr Md. Monauwar. Alam
Dept of Urdu
R.N. College, Pandaul
27/4/2020

URDU

DI (H) Paper I

Topic:- Meer Ki Ghazal

میر کی غزل ①

ہمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا
دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

پیش نظر شعر میر تقی میر کی غزل کا مطلع ہے۔ اس میں میر اپنے محبوب سے مخاطب ہوتے ہوئے کہتے ہیں کہ تمہارے فراق میں میرا یہ حال ہے کہ جب کسی محفل یا بزم میں کوئی تمہارا ذکر کرتا ہے یا تمہاری بات نکلتی ہے تو میرا دل اور مضطرب و پریشان ہو اٹھتا ہے۔ گویا میر کہتے ہیں کہ میرا زخم دل ابھر آتا ہے۔ اور ہم اپنے دل کو تھام کر رہ جاتے ہیں اس سے میر کے محبوب کی جدائی میں جو کیفیت ہے اس کا پتہ چلتا ہے۔ چونکہ میر نے اپنی آپ بیتی کو جگ بیتی بنا دیا ہے اس لئے میر کے اشعار پڑھنے والوں کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ تو میرے دل کا حال ہے۔

قسم جو کھائیے تو طالع زلیخا کی
عزیز مصر کا بھی صاحب اک غلام لیا

یہ شعر میر تقی میر کی غزل سے ماخوذ ہے۔ میر اس شعر میں عشق کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عشق میں کوئی ذات پات اور ذات نہیں دیکھی جاتی ہے۔ جس پر دل آگیا سو آگیا۔ میر نے عشق کی کیفیت اور سچائی بیان کرنے کے لئے یوسفؑ اور زلیخا جو کہ بادشاہ مصر کی بیوی تھی۔ اس کا واقعہ نظر میں رکھتے ہوئے یہ شعر کہا ہے کہ کہاں بادشاہ مصر اور کہاں اس کا ایک ادنیٰ غلام۔ زلیخا یوسف پر فدا ہو گئی۔ اسی لئے اس شعر کو ہم تلمیح ماننا کہہ سکتے ہیں۔

خراب رہتے تھے مسجد کے آگے میخانے
نگاہِ مست نے ساقی کی انتقام لیا

مذکورہ بالا شعر میر تقی میر کی غزل کا ہے۔ اس شعر میں محبوب کی مست نگاہی کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرے محبوب کی آنکھوں میں وہ نشہ ہے کہ اس سے نظر ملانے کے بعد کسی کو ہوش نہیں رہتا ہے۔ جس نے بھی تمہاری آنکھوں سے مئے پیا گویا مدہوش ہو گیا۔ پھر سے میخانے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ دراصل وہ کہنا چاہتے تھے کہ میخانے بند پڑے تھے اور کسی کو کسی کی حاجت نہیں رہی جس نے بھی تمہاری آنکھوں کا جام پیا۔ حقیقت میں محبوب کی خوبصورت آنکھوں کا حال بیان کرتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

وہ کج روش نہ ملا راستے میں مجھ سے کبھی
نہ سیدھی طرح سے ان نے مرا سلام لیا

یہ شعر میر تقی میر کی غزل کا ہے۔ اس شعر میں محبوب کی بے رخی کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے مزاج میں شوخی ہے۔ نہ تو وہ مجھ سے کبھی راستے میں ملاقات کی اور نہ کبھی سیدھے منہ مجھ سے بات کیا۔ گویا میر کہنا چاہتے ہیں کہ نہ اس سے ملاقات ہوئی اور نہ سلام و دعا۔ میر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میرے سخت دل محبوب نے میری کوئی خبر نہ لی۔ دیکھا جائے تو میر اس شعر میں محبوب سے شکایت کر رہے ہیں۔

مزا دکھائیں گے بے رحمی کا تری صیاد
گر اضطراب اسیری نے زیر دام کیا

مذکورہ شعر میں میر صیاد سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تمہاری بے رحمی کا ہم مزا چکھائیں گے اگر ہم قید کر لیا گیا تو۔ بظاہر تو یہ شعر معمولی معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں کہ عام طور سے صیاد پرندے کو قید کر کے خوش ہوتا ہے مگر جب پرندہ پنجرے میں نالہ و فریاد کرتا ہے اور ہر وقت آہ و فغاں کرتا رہتا ہے جس سے کہ صیاد پریشان ہو جاتا ہے۔ آخر کار مجبور ہو کر پرندے کو آزاد کرنا پڑتا ہے۔

مرے سلیقے سے میری نبھی محبت میں
تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا

میر تقی میر اس شعر میں اپنے سلیقے اور طرز زندگی کا اشارہ کرتے ہیں کہ عام طور سے محبت میں ناکام ہونے پر لوگ ایسا کرتے ہیں کہ دنیا کو اس کی ناکامیابی کا پتہ چلتا ہے۔ محبوب کی بے وفائی کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ جس سے اپنی بھی رسوائی ہوتی ہے۔ میر کہتے ہیں کہ میں نے عشق کی محرومی اور ناکامی میں بھی سلیقے سے کام لیا کبھی محبوب کی بے وفائی کا شکوہ ہونٹوں پر نہیں آنے دیا۔ جس سے میرے محبوب کی رسوائی ہو۔

اگرچہ گوشہ گزیں ہوں میں شاعروں میں میر
پہ میرے شور نے روئے زمیں تمام لیا

یہ میر کی غزل کا مقطع ہے اس میں میر اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ میں شاعری اپنی تسکین کے لیے کرتا ہوں۔ کسی دوسرے شاعر سے میرا کوئی غرض نہیں ہے اور نہ ہی میں دنیا کے لیے شعر کہتا ہوں۔ مگر میرے اشعار نے اس روئے زمین پر یعنی پوری دنیا میں مجھے شہرت دلائی ہے اور دنیا مجھے میری شاعری کے حوالے سے خوب جانتی ہے۔ گرچہ وہ تنہائی میں زندگی گزارنا چاہتے تھے۔ لیکن ان کی شاعری نے انہیں مشہور و معروف کر دیا۔

Scanned with CamScanner

⑤ غزل

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

مذکورہ بالا شعر میر تقی میر کی غزل کا مطلع ہے۔ اس شعر میں میر نے بڑی سادگی کے ساتھ زندگی کے فلسفے اور سچائی کو بیان کیا ہے۔ میر دنیا والوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ انسان کی زندگی ناپائیدار ہے۔ اس کی حقیقت اصل حباب کی طرح ہے۔ ابھی ہے اور ابھی نہیں۔ ہم چاہے کتنی بھی زندگی گزار لیں اس کے بعد ہمیں موت کا مزہ چکھنا ہے۔ انسان کی تمام کارگزاری اور نمائش سب دھوکہ ہے۔ فریب ہے۔

نازکی اس کے لب کی کیا کہیئے
پنکھڑی ایک گلاب سی ہے

یہ شعر میر کی غزل سے ماخوذ ہے۔ اس میں تغزل کا رنگ ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر اپنے محبوب کی خوبصورتی بیان کر رہا ہے۔ اس کے ہر لفظ سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ موت اور زندگی کا رشتہ گلاب کی پنکھڑی کی طرح نازک ہے۔ ایک ہوا کے جھونکے سے بکھر کر خاک میں مل جاتی ہے۔ اسی طرح ہمارا یہ وجود بھی موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔

بار بار اس کے در پہ جاتا ہوں
حالت اب اضطراب کی سی ہے

پیش نظر شعر میر کی غزل کا ہے۔ اس شعر میں میر نے عشق کی کیفیت بیان کی ہے کہ بار بار محبوب کی گلیوں کا چکر لگانا عاشق کا مشغلہ ہوتا ہے۔ یہ حالت اضطراب کی ہوتی ہے۔ معشوق کی ایک جھلک پانے کی خواہش ہوتی ہے۔ اور اسی بے چینی میں محبوب کی گلی کا سفر کرتے ہیں۔ اس کیفیت کے بیان کے ساتھ شعر میں موت و زندگی کی کشمکش کی ایک خوبصورت تعبیر بھی ہے۔

میں جو بولا کہا کہ یہ آواز
اسی خانہ خراب کی سی ہے

اس شعر میں بھی میر نے عشق کی کیفیت بیان کی ہے کہ عشق کی آگ وہ تڑپ ہے جو عاشق و معشوق دونوں کے دل کو جلاتی ہے۔ عاشق پریشان اور بے چین ہوتا ہے۔ وصل کی خواہش دل میں ہوتی ہے تو دوسری طرف معشوق بھی منتظر ہوتا ہے۔ عاشق کی آواز پر دوڑنا اور لپکنا اس کی ادا بن جاتی ہے۔

Scanned with CamScanner

④

میرؔ ان نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

یہ شعر میر تقی میرؔ کی غزل کا مقطع ہے۔ اس شعر میں بھی تغزل کا رنگ ہے۔ اپنے محبوب کے سراپا حسن کو بڑی فنکاری سے بیان کیا ہے۔ عام طور سے شراب کی مستی میں آنکھوں کا نیم باز ہونا عمومی بات ہے لیکن شاعر نے اس کو استعارہ کی شکل میں استعمال کیا ہے کہ دنیا کی لذتوں میں گرفتار انسان جب سرمست ہو جاتا ہے تو اس پر نیم غفلت چھا جاتی ہے۔ اس عالم میں وہ ایسا مدہوش ہو جاتا ہے کہ وقتی طور پر مقصد زندگی بھول جاتا ہے۔

محبوب کی خوبصورت آنکھوں کا ذکر کرتے ہوئے میرؔ کہتے ہیں کہ میرے محبوب کی ادھ کھلی آنکھوں میں وہ نشہ ہے جیسے کہ شراب پینے کے بعد آنکھوں میں نشہ چھا جاتا ہے اور شراب کی مستی میں نگاہیں آدھی کھلی ہوتی ہیں۔ میرؔ نے بڑے ہی خوبصورتی کے ساتھ محبوب کی آنکھوں کی خوبصورتی کو اس شعر میں ڈھالا ہے۔

-۲۸-